© rasailojaraid.com

حدیثِ نبوی
اور
نیچری و عیسائی

(مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم)

(۳)

راویوں کے ثقہ (عادل و ضابط) ہونے کے علاوہ روایات بالمعنی کے معتبر و نامحتمل تغیر ہونے پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ روایات باوجود اختلاف الفاظ معنی میں اتفاق رکھتے ہیں۔

اس اتفاق معنوی سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان روایات میں کچھ تغیر معنوی واقع نہیں ہوا۔ اور نہ اس تغیر کا ان روایات متفق المعنی میں احتمال ہے۔

حاصل جواب یہ ہے کہ تمام احادیث کو بالمعنی روایت قرار دینا پھر اس پر اتفاق کا دعوے کرنا تو محض غلط ہے۔ البتہ بعض احادیث بالمعنی مروی ہیں جن میں اقل قلیل تو صحابہ و تابعین کی روایات ہیں جن کو انہوں نے بالمعنی روایت کیا۔ اور اس کا بالمعنی روایت کرنا اظہار شک و تردد سے جتا دیا اور ان سے زیادہ روایات متاخرین محدثین کی ہیں جنہوں نے اصل روایات کو کتب میں منضبط و مکتوب دیکھ کر احیاناً ان کو بالمعنی بھی روایت کیا ہے۔ ان دونوں قسم کی روایات میں تغیر معنے و مراد کا قوی و مدلل احتمال نہیں پھر اس احتمال کو ان راویوں کا اصل زبانِ حدیث سے واقف ہونا اور ثقہ (عادل و ضابط) ہونا اور ان احادیث کا معنی میں متفق و متحد ہونا اٹھاتا ہے۔

علاوہ ازیں جو احادیث نبویہ سبھی یا اکثر کتابوں میں ایک ہی لفظ ایک ہی سیاق ایک ہی ترتیب سے پائی جاتی ہیں ان میں بالمعنے روایت ہونے یا محتمل تغیر ہونے کا ضعیف احتمال بھی نہیں ہے۔ اب ان باتوں کا سمجھنا اور ان پر غور کرنا ناظرین کا کام ہے۔

دوسرا اعتراض اہلِ نیچر کا یہ ہے کہ حدیث کی تمام کتابیں معنعن (جس میں فلان عن فلان ہو) یا مؤنن (جس میں فلان اَنّ فلاناً قال ہو) حدیثوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اس قسم کی حدیثوں پر اس بات کا جزم و یقین کہ وہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے نہیں ہو سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی تفصیل و دلیل وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حدیث کی روایت میں چار لفظ مستعمل ہیں۔ حدثنا۔ اخبرنا۔ انبانا۔ یہ تینوں لفظ جب بولے جاتے ہیں تو سمجھا جاتا ہے کہ پچھلے راوی نے اوپر کے راوی سے یہ حدیث سنی یا سیکھی ہے۔ مگر چوتھا لفظ "عن" کا مشتبہ لفظ ہے۔ اس لفظ سے دونوں احتمال ہیں کہ پچھلے راوی نے اوپر کے راوی سے یہ حدیث سنی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے نہ سنی ہو بلکہ جس سے سنی ہو اس کا نام چھوڑ کر اس سے اوپر کے راوی کا نام لے رہا ہو۔ پس اس بات کے قرار دینے میں کہ ایسی حدیث کا کیا حال ہے اختلاف ہے۔ شاید اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر اس میں کوئی ایسا راوی ہو جو کسی غرض فاسد سے اس راوی کا نام چھپایا کرتا ہو جس سے درحقیقت اس نے حدیث سنی ہے تب تو یہ حدیث معتبر نہ ہوگی۔ اور اگر ایسا نہیں تو یہ حدیث معتبر ہوگی۔ اس کے بعد علما میں اختلاف ہے۔ بعض عالموں کا یہ قول ہے کہ ایسی حدیث کے معتبر ہونے کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ جس شخص نے بلفظ عن کسی سے روایت کی ہے ان دونوں کا آپس میں ملاقات ہونا اور حدیث سیکھنے کا ان کو موقع بھی ہونا ثابت ہو۔ چنانچہ امام بخاری کا یہ مذہب ہے۔ مگر امام مسلم ان باتوں کو قبول نہیں کرتے۔ اور کسی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے۔ بہر حال ہم کو ان مذہبوں سے بحث نہیں ہے۔ ہم کو یہ بات دکھانی ہے کہ جس حدیث میں بلفظ عن روایت ہوئی ہے۔ اس میں برابر رسول مقبول صلعم تک راویوں کے نہ ملنے کا احتمال ہے۔ اور اس سبب سے یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہ ہو۔ جن لوگوں نے مختلف شرطوں کے ساتھ اس کو حدیث نبوی سمجھا ہے۔ صرف قیاس و تخمین و حسن ظن سے سمجھا ہے۔ کوئی ثبوت یا کوئی نص اس پر ان کے پاس نہیں ہے۔

اور حدیث مؤنن کا حال بھی بجنسہ ایسا ہے۔ جیسا کہ عن کے لفظ سے روایت کا ہے۔

یہ اعتراض بھی اعتراض اول کی طرح اکثر احادیث کو بے اعتبار و بیکار ٹھہراتا ہے۔ کیونکہ اکثر احادیث نبویہ ایسی ہی ہیں جن میں لفظ عن یا اَنَّ موجود ہے۔ لہذا اس کا جواب بھی ناظرین کو پوری توجہ سے سننا ضروری ہے

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ اخبار احاد میں (جو ایک دو راویوں سے مروی ہوں شہرت و تواتر کو نہ پہنچی ہوں) جزم و یقین کا طالب ہونا اپنی بے علمی و ناواقفی کا اظہار کرنا ہے۔ خبر واحد معنعن یا مؤنن میں جزم یقین کیا ہوگا۔ یہ جزم و یقین تو ان اخبار[1] احاد میں بھی نہیں ہے۔ جو بلفظ حدثنا یا سمعت مروی ہے

[1] بعض اخبار احاد سے یقین بھی حاصل ہوتا ہے مگر نہ صرف نفس اخبار سے بلکہ اور خارجی قرائن سے جیسے صحیحین کی خبر واحد سے مفید علم یقینی نظری ہونا ہم نے اپنے رسالہ نخ الباری میں ثابت کیا ہے یا اخبار مشہورہ۔ یا احادیث مسلسلہ بحفاظ و ائمہ چنانچہ شرح نخبۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس اگر معترض کا اس اعتراض سے یہی مطلب تھا تو اس کا جواب تمام ہُوا۔

اور اگر معترض نے لفظ جزم و یقین سے ظن غالب مراد لیا ہے (جس کو کوئی اہل علم اس لفظ سے مراد نہیں لے سکتا) تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ظن غالب اس امر کا کہ یہ حدیث راوی نے اپنے مروی عنہ سے یعنی اُس شخص سے جس سے حدیث روایت کی ہے، سنی ہے یا یہ حدیث نبوی ہے جیسا کہ ثقہ راوی کے حدثنا کہنے سے حاصل ہوتا ہے۔ ویسا ہی اس کے عن کہنے سے (اس محل پر جس کی تفصیل عنقریب آتی ہے) حاصل ہوتا ہے۔

یہ ظن صرف لفظ حدثنا یا لفظ عن سے پیدا نہیں ہوتا یہ ہو تو چاہیئے کہ ضعیف و جھوٹے راویوں کی حدیثوں میں (جس میں وہ لفظ حدثنا بولیں بلکہ ساتھ اس کے قسم بھی کھالیں) یہ ظن پیدا ہوا اور موضوعات وضعاف روایات کو احادیث نبویہ سمجھا جاوے۔ جس کا آج تک کوئی قائل نہیں ہے۔ بلکہ یہ ظن راوی کے حال و چال، ضبط، عدالت سے پیدا ہوتا ہے۔ الفاظ روایت حدثنا وغیرہ اس ظن کے پیدا ہونے کے وسائل اور راوی کی عادت و اصطلاح کے دلائل ہیں۔

ان الفاظ میں ہم کو صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ راوی نے ان الفاظ کو کس معنی و مراد سے استعمال کیا ہے۔ اور ان کی اصطلاح و محاورہ میں یہ لفظ کن معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ عرف عام یا لغت میں ان کے معانی کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔

بناءً علیہ جہاں تک راویوں کی اصطلاح و محاورہ کو دیکھا جاتا ہے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین ثقہ راوی حدیثوں کی (جن کی یادداشت و زبانی روایات پر نقل حدیث کا مدار ہے) جو حدیث اپنے ملاقاتیوں سے نقل کرتے ہیں۔ اس میں لفظ "حدثنا" و لفظ "عن" ایک ہے۔ وہ جیسے لفظ حدثنا اس معنی کر بولتے ہیں۔ کہ فلاں راوی نے ہم کو حدیث سنائی یا سکھلائی ہے۔ ویسے ہی لفظ عن کو اسی معنی سے بولتے ہیں کہ یہ حدیث ہم نے اس راوی سے سنی یا سیکھی ہے۔ جس شرط (ثبوت سماع یا حدیث سیکھنے) سے وہ لفظ حدثنا استعمال کرتے۔ اسی شرط سے وہ لفظ عن اطلاق کرتے ہیں۔ منجملہ لاکھوں ثقہ متقدمین راویوں کے کسی ایک راوی سے کسی ایک حدیث صحیح میں یہ امر پایا نہیں گیا۔ کہ اس نے اس حدیث کو ملاقاتی سے سنا یا سیکھا نہ ہو۔ اور پھر اس حدیث کو اس شخص سے روایت کرنے کے وقت لفظ عن

لہ ... نے جمہور علماء سے نقل کی ہے۔ چنانچہ اصل کلام آپ کا آئندہ آتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہہ دیا ہو۔ جیسا کہ ثقہ راویوں سے یہ امر ثابت نہیں کہ انہوں نے کسی شخص سے کوئی حدیث سنی یا سیکھی نہ ہو۔ پھر اس کی روایت میں لفظ حدثنا یا سمعت کہہ دیا ہو۔ ہاں یہ امر (بے سنے یا سیکھے کسی حدیث کو کسی شخص سے بلفظ عن روایت کر دینا) مدلس راویوں کا (جو اپنے ملاقاتی سے کوئی حدیث جو اس سے نہ سنی ہو اس طور پر روایت کریں جس سے وہم گذرے کہ یہ اس سے سنی ہوئی ہے) کام ہے مگر اس کی معنعن حدیث کو کوئی بھی سنی ہوئی نہیں سمجھتا اور نہ اس کے لفظ عن کو مثل لفظ حدثنا قرار دیتا ہے۔ ایسا ہی منقطع روایات مرسل (جس کو تابعی یا مخضرم[1] آنحضرت سے روایت کرے اور اس شخص کا نام نہ لے جس سے وہ حدیث سنی ہے) اور معضل (جس کی سند میں ایک جگہ ایک سے زیادہ راوی چھوٹ جاویں) اور معلق (جس کے شروع سلسلہ سند سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی چھوٹ جاویں) میں لفظ عن باوجود سماع نہ ہونے کے استعمال کیا گیا ہے۔ مگر ان روایات کو بھی راوی و مروی عنہ کی ملاقات نہ ہونے اور سلسلۂ رواۃ کے منقطع ہو جانے کے سبب کوئی سنی ہوئی روایت نہیں سمجھتا۔ اور نہ ان روایات میں لفظ عن کو مثل لفظ حدثنا خیال کرتا ہے۔

ایسا ہی پچھلے زمانہ (چھٹی صدی اور اس کے مابعد) کے محدثین نے اپنے ملاقاتیوں کی ان روایات میں جن میں ان کو صرف اجازت روایت حاصل ہے سننا یا سیکھنا میسر نہیں ہوا۔ لفظ عن استعمال کیا ہے، ان کی باہمی روایات میں بھی لفظ عن بمعنی حدثنا نہیں سمجھا جاتا۔ جب تک کہ خاص طور پر یہ ثابت نہ ہو کہ فلاں محدث نے فلاں شخص سے یہ حدیث سنی یا سیکھی ہے ان مستثنیات (روایات مدلسین۔ روایات مرسلہ معلقہ۔ روایات بالاجازہ متاخرین) کے سوائے متقدمین ثقات کے روایات میں کہیں پایا نہیں گیا۔ کہ انہوں نے اپنی ملاقاتی سے ایک حدیث کو سنا یا سیکھا نہ ہو۔ پھر اس کی روایت میں لفظ عن استعمال کیا ہو۔

ان کی اس عادت اور استعمال و محاورہ سے ان کی معنعن (عن والی) حدیثوں کی نسبت ظن غالب حاصل ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے ان احادیث کو اپنے مروی عنہ راویوں سے سنا یا سیکھا ہے۔ اور ان روایات میں لفظ عن کو بمعنے حدثنا بولا ہے۔

اسی نظر سے جمہور علما کا اتفاق ہے کہ اگر اس راوی کی جو حدیث کو بلفظ عن روایت کرتا ہے اس

---

[1] مخضرم وہ ہے جس نے زمانہ جاہلیت و زمانہ نبوت دونوں کو پایا ہو پر کسی سبب سے بحالت اسلام آنحضرت کو نہ دیکھا

[2] ان سب روایات منقطعہ کے سماع پر محمول اور مقبول ہونے پر شرح نخبہ کی شہادت عنقریب مذکور

© rasailojaraid.com

شخص سے جس سے وہ روایت کرتا ہے ملاقات ثابت ہے اور وہ مدلس ہونے سے (جس کی تفسیر گذر چکی ہے) بری ہے تو اس کی حدیث معنعن کو سنی ہوئی حدیث سمجھا جاوے گا۔ اور اس کا لفظ عن کہنا بمعنی حدثنا خیال کیا جاوے گا۔ امام ابن الصلاح کتاب علوم الحدیث میں فرماتے ہیں۔

الاسناد المعنعن وهو الذی یقال منه فلان عن فلان عده بعض الناس من قبیل المرسل والمنقطع حتی تبین اتصاله بغیره والصحیح الذی علیه العمل انه من قبیل الاسناد المتصل والی هذا ذهب الجماهیر من ائمة الحدیث وغیرهم واودعه المشترطون للصحیح فی تصانیفهم وقبلوه وکاد ابو عمر وابن عبد البر الحافظ یدعی اجماع ائمة الحدیث علی ذلك وادعی ابو عمرو الدانی المقری الحافظ اجماع اهل النقل علی ذلك. وهذا بشرط ان یکون الذین اضیفت العنعنة الیهم قد ثبت ملاقاة بعضهم بعضا مع براءتهم من وصمة التدلیس فحینئذ یحمل علی ظاهر الاتصال الا ان یظهر فیه خلاف ذلك اهـ

معنعن اسناد کو جن میں یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں عن فلاں بعض لوگوں نے تو از قسم مرسل اور منقطع سمجھا ہے جب تک کہ اس کا اتصال سند دوسرے طریق سے ثابت نہ ہو۔ مگر صحیح مذہب جس پر عمل درآمد ہے یہی ہے کہ وہ از قسم سند متصل ہے اکثر آئمہ حدیث اسی کے قائل ہیں اور انہوں نے حدیث معنعن کو اپنی تصانیف میں وارد کیا۔ اور قبول کیا ہے۔ امام ابن عبدالبر قریب تھے کہ اس پر اجماع کا دعوے کریں اور امام ابوعمرو دانی نے تو اس اجماع کا دعوے کر ہی لیا ہے۔ یہ اس شرط سے ہے کہ جن کی وہ معنعن روائتیں ہیں۔ ان کی آپس میں ملاقات اور تدلیس کے عیب سے برأت ثابت ہو۔ تب وہ ظاہری اتصال پر محمول ہوں گے۔ بجز اس حالت کے کہ خلاف انقطاع ظاہراً ثابت ہو

اور امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ:۔

ودلیل هذا المذهب الذی ذهب الیه ابن المدینی والبخاری ومن وافقهما ان المعنعن عند ثبوت التلاقی انما یحمل علی الاتصال لان الظاهر ممن

امام بخاری وعلی بن المدینی وغیرہ کے اس مذہب کی کہ بوقت ثبوت ملاقات باہمی رواۃ کے ان کے معنعن روائتوں کو سنی ہوئی یا سیکھی ہوئی سمجھا جاتا ہے۔

ابن الصلاح ص ۲۹ طبع بمبئی ۱۳۵۳ھ

© rasailojaraid.com

ليس بمدلس انه لا يطلق ذلك الا على السماع. ثم الاستقراء يدل عليه فان عادتهم انهم لا يطلقون ذلك الا فيما سمعوه الا المدلس ولهذا رددنا رواية المدلس فاذا ثبت التلاقي غلب على الظن الاتصال والباب مبني على غلبة الظن فاكتفينا به ..... الخ

——— دلیل یہ ہے کہ جو شخص مدلس نہ ہو اس کے ظاہر حال کا یہی تقاضا ہے کہ وہ لفظ عن بجز اس حدیث کے جس کو سنا ہوگا کہیں نہ کہے گا پھر ان کے حال و چال کو تلاش کیا جاتا ہے۔ تو بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لفظ عن ان احادیث کے سوا کہیں استعمال نہیں کرتے بجز مدلس راویوں کے جن کی روایات کو ہم خود رد کر چکے ہیں پس جب ان کی باہم ملاقات ثابت ہو پھر وہ ایک دوسرے سے بلفظ عن حدیث کو روایت کرے تو اس کی سند کے متصل ہونے کا ظن غالب حاصل ہوتا ہے اور اس باب میں غلبہ ظن ہی مدار کار ہے سو ہم نے اسی پر اکتفا کیا۔

یہ ایک مذہب (مختار بخاری و ابن المدینی) پر معنعن حدیث کے بظن غالب اتصال و سماع پر محمول ہونے کا ثبوت ہے۔ اور اس معنعن میں بلحاظ تخفیف و تشدید شروط و قیود اور بھی مذاہب ہیں۔ از آن جملہ سب سے نرم و خفیف الشروط وہ مذہب ہے جس کو امام مسلم نے اختیار کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر راوی ثقہ ہے۔ اور تدلیس (بے سنی حدیث کو عن سے روایت کرنا) اس کی عادت نہیں ہے۔ اور جس شخص سے وہ بلفظ عن روایت کرتا ہے وہ اس کا ہم عصر ہے۔ جس سے اس کی ملاقات ممکن ہے گو پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی تو اس کی حدیث معنعن سماع و اتصال پر محمول ہے۔

ہمارے نزدیک اس مذہب کی رو سے بھی معنعن حدیث میں غلبہ ظن سماع و اتصال موجود ہے اور اس پر وہی تجربہ و مشاہدہ ظاہر حال و عادت راوی دلیل ہے۔ مگر چونکہ معترض کو ان مذاہب سے بحث نہیں ہے اس لئے ہم نے ان سب مذاہب کی تفصیل و دلیل سے تعرض نہیں کیا۔ صرف ایک مذہب مختار (بخاری و علی بن المدینی) کو بیان کر کے یہ دکھا دیا ہے کہ معنعن حدیث میں غلبہ سماع و اتصال ہو سکتا ہے۔

اس مذہب مختار بخاری پر جو دلیل بیان کی گئی ہے وہ استقرائی دلیل ہے۔ جو استقراء و تجربہ و مشاہدہ ظاہر حال پر مبنی ہے۔

اگر معترض اس دلیل کو بھی صرف قیاس و تخمین و حسن ظن کہتا ہے تو معلوم نہیں اس کے نز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیز کا نام ہے۔ اور اس کے نزدیک حدثنا و اخبرنا والی حدیث کے اتصال و سماع پر اس سے بڑھ کر کونسی دلیل قائم ہے۔ جو مداخلت قیاس و حسن ظن سے خالی ہے۔

حدثنا والی حدیث کے سماع و اتصال پر اس کے سوائے اور کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہم نے چند بار راوی کی صداقت کو دیکھ لیا ہے۔ اور چند روایات میں اس کو ضابط و ہوشیار پایا ہے۔ اس لئے جب وہ کوئی حدیث بلفظ حدثنا روایت کرتا ہے تو ہم کو بقیاس ان حالات کے جو ہمارے دیکھنے میں آ چکے ہیں یہی نیک ظن کرنا پڑتا ہے کہ وہ حدیث اس نے سنی یا سیکھی ہے۔ یہی دلیل بعینہ معنعن حدیث کے اتصال و سماع پر پیش کی گئی ہے۔ تو پھر یہ کیونکر صرف قیاس و تخمین و حسن ظنی ہو گئی۔

اور معترض کا یہ کہنا کہ اس پر کوئی نص ان کے پاس نہیں ہے معلوم نہیں کیا معنے رکھتا ہے۔ اگر اس یہ مراد ہے کہ یہ دلیل بعینہ بخصوصہ قرآن و حدیث میں مذکور نہیں تو اس پر یہ سوال عاید ہوتا ہے کہ جو دلیل آپ حدثنا والی حدیث کے اتصال و سماع پر ہاتھ میں رکھتے ہیں وہ کونسی آیت اور حدیث کا ترجمہ ہے۔ خصوصیت کے ساتھ تو قرآن و حدیث میں ہزاروں بلکہ لاکھوں اشیاء کے احکام مذکور نہیں۔ عموماً سچے راویوں کی روایت و شہادت کو قرآن و حدیث نے مقبول ٹھہرایا ہے۔ اور جھوٹے راویوں کی روایت و شہادت کو مردود۔ چنانچہ اس کا ثبوت عنقریب آتا ہے۔ مگر یہ کہیں نہیں آیا کہ احمد سچا اور محمود جھوٹا۔ اور فلاں حدیث صحیح ہے اور فلاں غیر صحیح۔ ایسا ہی عموماً بکری کو خدا نے حلال فرمایا ہے اور خنزیر کو حرام۔ مگر یہ کہیں نہیں فرمایا کہ کلو قصاب کی بکری حلال ہے اور رلو ہلاک خور کا خنزیر حرام۔ پس اگر معترض کے نزدیک ہر چیز کی مشروعیت یا صحت خصوصیات پر موقوف ہے تو لاکھوں احکام و دلائل سے ان کو انکار لازم ہے۔

اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ اس دلیل کے قرآن و حدیث میں کچھ بھی اصل نہیں اور جن امور کا اس دلیل میں ذکر و لحاظ کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث میں کسی طور پر ان کا ذکر و نشان نہیں ہے۔ تو یہ محض غلط بات ہے۔ اس دلیل میں ضبط و عدالت و عادت راوی و بناءً علیہ اس کے حق میں حسن ظن کا لحاظ کیا گیا ہے اور ان امور کے لحاظ پر قرآن و حدیث شاہد ہے۔ مثلاً

اذا جاءکم فاسق بنبإ فتبینوا (۶:۴۹)　　اللہ تعالے نے فرمایا ہے جب تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کو تحقیق کرو۔

ممن ترضون من الشهداء (البقرة)　　اور فرمایا شہادت ان کی قبول کرو۔ جن کو بلحاظ چال چلن پسند کرو۔

اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن　　اور فرمایا برے ظن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الحجرات (۴۹: ۱۲) کرنے سے بچو۔ بعض ظن گناہ ہوتا ہے۔

اور آنحضرت نے فرمایا

كفى بالمرء كذبا ان يحدث	انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بس ہے کہ وہ ہر سنی سنائی
بكل ما سمع رواه مسلم	بات نقل کر دے یعنی اس کی تحقیق نہ کرے کہ کس نے کہی اور کہاں سے آئی

ان عمومات میں ان امور کا جن کا ہم نے (دلیل قبولیت حدیث معنعن میں) لحاظ کیا ہے۔ کافی ثبوت موجود ہے۔ اور طرفہ یہ کہ حدثنا والی حدیث کی صحت و قبولیت پر بھی یہی عمومات دلائل ہیں۔ ان سے بڑھ کر کوئی خاص آیت یا حدیث اس پر دلیل نہیں ہے۔

اس دلیل کے ہوتے ہوئے معترض کا حدیث معنعن کی نسبت یہ کہنا کہ اس میں برابر رسول مقبول تک راویوں کے نہ ہونے کا احتمال ہے۔ ایسا ہی جیسا کہ ثقہ راویوں کی حدثنا والی حدیث کی نسبت کوئی کہے کہ ان راویوں کے جھوٹ بولنے اور اس کے اسناد سے بہت سے راوی چھوڑ دینے کا احتمال ہے اس کے جواب میں وہ یہی کہے گا کہ راوی کا ظاہر حال اس احتمال سے مانع ہے۔ پس اسی ظاہر حال کو اس احتمال (انقطاع سلسلہ رواۃ معنعن) سے مانع سمجھ لے۔

اس بحث سے ثابت ہوا کہ متقدمین ثقہ غیر مدلس راویوں کی وہ احادیث جن کو وہ اپنے ملاقاتیوں سے بلفظ عن روایت کریں۔ بظن غالب ان ملاقاتیوں سے سنی یا سیکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ثقہ راویوں کی وہ احادیث جن کو وہ بلفظ حدثنا روایت کرتے ہیں۔ اور ان میں اتصال و سماع میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اور حدیث مؤنن کا بھی بعینہ یہی حال ہے جو حدیث معنعن کا حال ہے۔ چنانچہ معترض نے اپنے اعتراض میں ان دونوں کو یکساں کہا ہے۔ اور محدثین نے بھی ایسا ہی کہہ رکھا ہے۔

قال ابن الصلاح في علوم الحديث	امام ابن الصلاح نے کتاب علوم الحدیث میں
في تفريعات النوع الحادي عشر (يعني	فرمایا ہے کہ راوی کے لفظ ان فلانا قال
المعضل) الثاني اختلفوا في قول الراوي	کذا میں اختلاف ہے کہ کیا وہ لفظ عن کی طرح
أن فلانا قال كذا وكذا هل هو	اتصال پر محمول ہے جب کہ راوی کی اس شخص
بمنزلة عن في الحمل على الاتصال اذا	سے جس سے روایت کرتا ہے۔ ملاقات ثابت
ثبت التلاقي بينهما حتى يتبين فيه	ہو۔ جب تک کہ اس میں صاف طور پر انقطاع

© rasailojaraid.com

الانقطاع۔ مثاله۔ مالك عن الزهري" ان
سعيد بن المسيب قال كذا۔ ونحوهما عن
مالك رضي الله عنه انه كان يرى " عن
فلان" وان فلاناً" سواء۔ وعن احمد
بن حنبل رضي الله عنه انهما ليسا سواءً
وحكى ابن عبد البر عن جمهور اهل
العلم ان عن وان سواء وانه لا اعتبار
بالحروف والالفاظ وانما هو اللقاء والمجالسة
والسماع يعني مع السلامة من التدليس
واذا كان سماع بعضهم عن بعض باي
لفظ ورد محمولا على الاتصال۔ حتى
يتبين فيه الانقطاع وحكى ابن عبد البر
عن ابي بكر البرديجي ان حرف ان محمول
على الانقطاع حتى تبين السماع في ذلك
الخبر بعينه من جهة اخرى وقال عندي
لا معنى لهذا لاجماعهم على ان الاسناد
المتصل بالصحابي سواء فيه قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم وان رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال او عن رسول الله
صلى الله عليه وسلم انه قال۔ او سمعت
رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول
الله اعلم۔ الى ان قال ابن الصلاح
ذكرنا ما حكاه ابن عبد البر

نہ ہو جیسے امام مالک کا زہری سے۔ بلفظ اَنّ سعید
بن المسیب قال کذا روایت کرنا۔ اس باب میں امام
مالک سے ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ وہ لفظ عن اور
لفظ اَنّ کو برابر جانتے۔ احمد بن حنبل سے روایت
ہے کہ وہ برابر نہیں ہیں۔ ابن عبدالبر (امام) نے جمہور
اہلِ علم سے نقل کیا ہے کہ وہ دونوں لفظ برابر ہیں۔
(اس باب میں) الفاظ اور حرفوں کا کچھ لحاظ نہیں ہے
راویوں کی باہمی ملاقات اور ہم نشینی اور ایک کا دوسرے
سے سماع اور مشاہدہ کا لحاظ ہے یعنی بشرطیکہ تدلیس
(بے سنے روایت کو بلفظ ان یا عن روایت کرنے)
سے وہ راوی سالم و بری ہوں اور جب ان کا آپس
میں سماع ثابت ہے تو پھر وہ خواہ کسی لفظ سے
حدیث کو روائت کریں۔ ان کی حدیث متصل سمجھی
جائے گی۔ جب تک کہ اس میں ظاہرا انقطاع
معلوم نہ ہو۔ اور ابن عبدالبر نے ابوبکر بردیجی سے
نقل کیا ہے کہ (روایت) حرف ان کو منقطع سمجھا جاویگا
جب تک کہ دوسری روایت کے ذریعہ سے اس
روایت کا مسموع ہونا ثابت نہ ہو۔ پھر کہا کہ میرے نزدیک
اس قول کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ کیونکہ محدثین کا اس پر
اجماع ہے۔ کہ جو اسناد صحابی تک پہنچے اس میں لفظ
اَن اور لفظ عن اور لفظ سمعت سب برابر ہیں۔
اس کے بعد امام ابن الصلاح نے فرمایا ہے کہ ہم
نے ابن عبدالبر سے عام طور پر حکم اتصال ان سب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من تعميم الحكم بالاتصال فيما يذكره الراوي عمن لقيه باي لفظ كان وهكذا اطلق ابوبكر الصيرفي الشافعي ذلك فقال كل من علم له سماع من انسان فحدث عنه فهو على السماع حتى يعلم انه لم يسمع منه ما حكاه وكل من علم له لقاء انسان فحدث عنه فحكمه هذا الحكم وانما قال هذا فيمن لم يظهر تدليسه ومن الحجة في ذلك وفي سائر الباب انه لو لم يكن قد سمعه منه لكان باطلاق الرواية عنه من غير ذكر الواسطة بينه وبينه مدلساً والظاهر السلامة من وصمة التدليس والكلام فيمن لم يعرف بالتدليس انتهى مختصراً۔

الفاظ میں جن کو راوی اپنے ملاقاتیوں کے باہمی روایات میں ذکر کرتے ہیں نقل کیا ہے۔ ایسا ہی ابوبکر صیرفی شافعی نے عام طور پر کہہ دیا ہے کہ جس شخص کا کسی شخص سے سماع ثابت ہو وہ جو کچھ اس سے خواہ کسی لفظ سے روایت کرے وہ سنا ہوا سمجھا جاوے گا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ فلانی روایت اس نے اس سے نہیں سنی ہے۔ ایسا ہی جس کی کسی سے ملاقات ثابت ہو۔ وہ اس سے جو حدیث نقل کرے وہ سنی ہوئی حدیث سمجھی جاوے گی۔ یہ ان راویوں کی نسبت اس نے کہا ہے جن سے تدلیس ظاہر نہ ہوئی ہو اور اس قسم کی ہر ایک حدیث کے سماع پر محمول ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اگر وہ حدیث اس نے سنی ہوگی نہ ہو تو وہ اس کو بلفظ اَنّ یا عن روایت کرنے میں مدلس ٹھہرتا ہے حالانکہ وہ ظاہراً اس عیب سے سلامت و بری ہے۔ اور ایسے ہی شخص کے حق میں یہ بحث و کلام ہے یعنی مدلس کی حدیث مؤنن یا معنعن کو تو کوئی بھی متصل نہیں سمجھتا۔

تیسرا اعتراض اہل نیچر کا یہ ہے کہ محدثین بعض ایسی حدیثوں کو جو درحقیقت مرفوع نہیں (یعنی ان میں صاف طور پر نہیں کہا گیا کہ آنحضرت نے ایسا فرمایا یا ایسا کہا ہے یا آپ کے سامنے ایسا ہوا بلکہ کسی صحابی یا تابعی نے کوئی ایسی بات کہی یا کی ہو کہ عقل و اجتہاد سے اس کو کچھ تعلق نہ ہو بلکہ منقولات میں سے ہو مثلاً قیامت کا حال یا آئندہ کی خبر۔ یا کوئی صحابی یا تابعی یوں کہے کہ پیغمبر خدا کے زمانہ میں ہم یوں کرتے تھے یا اس طرح یہ کرنا سنت ہے) اور حکم مرفوع قرار دیتے ہیں۔ مگر ایسی حدیث کو در حکم مرفوع قرار دینا غلطی ہے۔ اس لئے کہ یہ بات تحقیق ہے کہ یہودیوں کے ہاں بھی قیامت کی نسبت اور آئندہ کی خبروں کی بہت سی روائتیں تھیں۔ پس ممکن ہے کہ وہ بیان صحابی یا تابعی کا یہود سے ہو۔ نہ قول پیغ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس بات کے کہنے سے کہ پیغمبر خدا کے زمانہ میں ہم یوں کیا کرتے ۔ اس فعل کے سنت ہونے پر یقین نہیں ہوسکتا۔ ممکن ہے کہ سنت ہو اور ممکن ہے کہ وہ فعل بموجب رسم زمانہ جاہلیت کے ہوتا آیا ہو۔ اور سنت اس کے برخلاف ہو غرض کہ ایسی حالت میں یقین کلی اس بات کا کہ وہ بلاشبہ قول یا فعل رسول ہے نہیں ہوسکتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تابعی کے قول یا فعل کو تو معترض نے ناواقفی سے حدیث درحکم مرفوع میں داخل کر کے اس پر اعتراض کیا ہے حالانکہ کوئی محدث تابعی کے فعل یا قول کو (بجز لفظ سنت جس میں اختلاف عنقریب منقول ہوگا) درحکم مرفوع نہیں سمجھتا۔ تابعیوں کے اقوال (گو وہ بالتصریح مرفوع کیوں نہ ہوں) اور افعال (گو وہ از قسم اجتہادیات نہ ہوں) کہ مرسل سمجھا جاتا ہے۔ جو محدثین کے نزدیک آنحضرت کے اقوال وافعال قرار نہیں دیئے جاتے۔ معترض نے اتنا نہیں سمجھا کہ تابعی یہ بات کیونکر کہہ سکتا ہے۔ کہ ہم آنحضرت کے زمانہ میں ایسا کیا کرتے تھے۔ کیا وہ آنحضرت کے زمانہ میں موجود تھا۔

ایسا ہی اس قسم کی احادیث میں یقین کلی کا طالب ہونا معترض کی ناواقفی سے ناشی ہے۔ اخبار احاد میں اگرچہ بالتصریح مرفوع کیوں نہ ہوں، یقین کہاں حاصل ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اعتراض دوم کے جواب میں بھی اس کا ذکر ہوچکا ہے۔

جن اخبار احاد سے غلبہ ظن حاصل ہوتا ہے ان احادیث میں جن کو درحکم مرفوع سمجھا گیا ہے۔ موجود ہے۔ صحابی کے ایسے قول کو جس میں عقل واجتہاد کا دخل نہیں ہے۔ جیسے قیامت کے حالات یا زمانہ آئندہ کی کوئی خبر یا کسی آیت کی کوئی تفسیر جس میں رائے کو دخل نہ ہو۔ یا کسی فعل پر کوئی خاص ثواب یا خاص عذاب کا بیان اگر یہ نہ سمجھا جاوے کہ اس نے وہ قول آنحضرت سے سنا ہے۔ تو یہی کہنا پڑے گا کہ اس نے دین میں افترا و احداث کیا ہے۔ اور یہ کہنا ان کی عدالت و صداقت کی مخالف ہے جو ان کی روایت قبول کرنے سے تسلیم کی گئی ہے۔ اس میں معترض کا یہ کہنا کہ انہوں نے وہ بات یہودیوں سے لی ہوگی۔ معترض کے حکماً مرفوع حدیث کی شرط سے ناواقف و بےخبر ہونے پر مبنی ہے۔ جو لوگ صحابی کے اس قسم کی حدیث کو درحکم مرفوع سمجھتے ہیں ان کے نزدیک اس کی شرط یہ ہے کہ وہ صحابی بنی اسرائیل سے کچھ اخذ و روایت نہ کرتا ہو۔ چنانچہ شرح نخبۃ الفکر اور اس کی شرح میں کہا ہے۔

المرفوع من القول حکما — قولی حدیث مرفوع حکمی کی مثال اس صحابی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لا نصیحا بما یقول الصحابی الذی لم یاخذ عن الاسرائیلیات ای من کتب بنی اسرائیل اما اذا کان الصحابی المفسر ممن عرف بالنظر فی الاسرائیلیات کعبد اللہ بن سلام وغیرہ من مسلمۃ اھل الکتاب وکعبد اللہ بن عمرو بن العاص فانہ کان لہ حصل فی وقعۃ الیرموک کتب کثیرۃ من اھل الکتاب فکان یخبر بما فیھا من الامور المغیبۃ حتی کان بعض الصحابۃ ربما قال حدثنا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا تحدثنا من الصحیفۃ فقولہ لا یکون من المرفوع لقوۃ الاحتمال ما لا مجال للاجتہاد فیہ ولا تعلق لہ ببیان لغۃ او شرح غریب کالاخبار عن الامور الماضیۃ من بدء الخلق او الاتیۃ کالملاحم واحوال یوم القیامۃ وکذا الاخبار عما یحصل بفعلہ ثواب مخصوص او عذاب مخصوص انما کان لہ حکم الرفع لان اخبارہ بذلک ولا مجال للاجتہاد فیہ یقتضی موقفا ای مخبرا ولا موقف للصحابۃ الا النبی صلی اللہ علیہ وسلم او بعض من یخبر من الکتب القدیمۃ الاسرائیلیۃ فلذا وقع الاحتراز عن القسم الثانی فبقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم موقفا (شرح شرح نخبۃ سندھی ص ۹۲)

قول ہے جو بنی اسرائیل کی کتابوں سے کچھ نہ لیتا ہو۔ اور اگر وہ صحابی بنی اسرائیل کی کتابوں سے روایت لینے میں معروف ہے جیسے عبد اللہ ابن سلام وغیرہ نومسلم اہل کتاب اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص جن کو یرموک کی لڑائی میں بہت سی کتابیں ہاتھ آئی تھیں۔ اور وہ ان سے بعض پوشیدہ باتیں نقل کیا کرتے۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھی ان کو کہا کرتے کہ ہم کو آنحضرت کی حدیث سناؤ۔ اپنی کتاب سے کچھ نہ کہو۔ ایسے شخص کی حدیث در حکم مرفوع نہ ہوگی۔ پہلے شخص کی حدیث بھی وہ در حکم مرفوع ہوگی جس میں اجتہاد کا دخل نہ ہو اور نیز اس کو بیان لغت اور شرح الفاظ کم استعمال سے تعلق نہ ہو جیسے ابتداء پیدائش مخلوقات کے حالات یا آئندہ لڑائیوں کی خبریں یا قیامت کے حالات ایسا ہی کسی فعل پر خاص ثواب یا عذاب کی خبر۔ اس قسم کی حدیثوں کو اس لیئے در حکم مرفوع سمجھا گیا ہے کہ اس قسم کی خبروں کے لیئے کوئی محل اطلاع ضروری ہے کیونکہ اجتہاد کا تو ان میں دخل ہی نہیں۔ اور صحابہ کے لیئے بجز آنحضرت یا پہلی کتابوں کے اور کوئی محل اطلاع نہیں۔ اور پہلی کتابوں سے اطلاع ہونیکا احتمال تو یہاں اٹھ ہی گیا ہے۔ پس اب محل اطلاع صرف آنحضرت ہی رہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسا ہی صحابہ کے اس فعل کو جن کو وہ زمانہ آنحضرت کا جمہوری فعل بتا دیں۔ اگر یہ نہ سمجھا جاوے کہ آنحضرت کو اس پر اطلاع ہوئی اور آنحضرت نے ان کو اجازت دی تو بقول معترض یہی سمجھا جاوے گا کہ انہوں نے یہ کام جاہلیت کے طور پر کیا۔ اور اس گناہ پر ان کا عمل درآمد رہا۔ یہ بات بھی ان کی عدالت کے برخلاف ہے۔ جو بتسلیم روایت ان لوگوں کے مسلم ہو چکی ہے۔ اسلام میں جاہلیت کی رسم نکالنا یا اس کو رواج دینا ایسا کبیرہ گناہ ہے کہ آنحضرت نے اس کو قتل اور الحاد کے برابر ٹھہرایا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ:۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلعم ابغض الناس الی اللہ تعالے ثلثۃ ملحد فی الحرم ومبتغ فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ ومطلب دم امرئ مسلم بغیر حق لیھریق دمہ

تین شخص خدا تعالے کو سب سے برے معلوم ہوتے ہیں حرم میں الحاد (کفر و تعدی) کرنے والا اور اسلام میں جاہلیت کی رسم کا خواہاں اور مسلمان کی ناحق خونریزی کا طالب (رواہ البخاری)

اور اس فعل کا کسی ایک آدھ صحابی تو مسلم یا واقفیت سے سرزد ہونا تجویز کرنا چنداں محل انکار و تعجب نہیں۔ محل تعجب وانکار تو یہ ہے کہ صحابی ایک فعل کو کل زمانہ رسالت کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور اس کو سبھی اہل قرن کا جس کے بہتر ہونے کی آنحضرت نے شہادت[1] دی ہے۔ فعل بتاتا ہے اور صاف کہتا ہے کہ ہم اصحاب رسول اللہ آنحضرت کے زمانہ میں یوں کہا کرتے تھے۔ پھر ان سب کے جمہوری فعل کو فعل جاہلیت بتایا جاتا ہے جس میں سب کے سب کا معاذ اللہ فاسق اور ساقط العدالت ہونا متصور ہے۔ اور اس میں نہ صرف صحابہ پر اتہام والزام عاید ہوتا ہے۔ بلکہ خدا اور رسول پر بھی مداہنت اور بے علمی کا دھبہ لگتا ہے۔ اور یہ الزام قائم ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کو باوجود غیب دانی اور رسول کو باوجود ادعاء منصب ریفارمری (درستی وراہنمائی) وتتابع الہام ووحی عام

[1] آنحضرت نے فرمایا ہے۔ خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم ان بعدھم قوما یشھدون ولا یستشھدون ویخونون ولا یؤتمنون رواہ البخاری وفی روایۃ للنسائی ثم یفشو الکذب یعنی میری امت کے سب لوگوں میں سے وہ لوگ بہتر ہیں جو میرے وقت میں ہیں۔ پھر وہ جو ان کے متصل آدیں پھر وہ جو ان کے متصل پیدا ہوں۔ پھر ان کے بعد جھوٹ اور خیانت پھیل جائے گی۔ یہ حدیث صاف شہادت دیتی ہے کہ ان خیر القرون میں فعل عام مروج نہیں ہو سکتا۔ جو تمام قرن کا فعل ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کے جمہوری فعل پر اطلاع نہ ہوئی یا خدا و رسول نے دیدہ دانستہ اس جمہوری فساد کی اصلاح نہ کی۔ اور ان صحابہ (بزعم مخالف رسم جاہلیت پر چلنے والوں) کو ان الفاظ کے ساتھ کہ ہم آنحضرت کے زمانہ میں ایسا کیا کرتے تھے۔ اس رسم جاہلیت کو رونق و رواج دینے اور تمام لوگوں کو گمراہ کرنے کی گنجائش دی۔ اور یہ بات آج تک کسی مسلمان نے نہیں کہی۔ اور نہ اسلام سے اس بات کے کہنے کی اجازت پائی جاتی ہے۔ اس دلیل سے جمہور محدثین نے صحابہ کی ایسی بات کو جس کو وہ زمانہ رسالت کے عام لوگوں کا فعل بتا دیں۔ در حکم مرفوع تقریری قرار دیا ہے۔ چنانچہ شرح نخبۃ اور اس کی شرح میں کہا ہے

ومثال المرفوع من التقرير حكما ان يخبر الصحابي انهم كانوا يفعلون فے زمن النبي صلى الله عليه وسلم كذا كقوله كنا ناكل لحوم الاضاحي على عهد النبي صلى الله عليه وسلم فانه يكون له حكم الرفع من جهة ان الظاهر اطلاعه صلى الله عليه وسلم على ذلك لتوفر دواعيهم على سواله صلى الله عليه وسلم عن امور دينهم ولا يفعلون بدون السوال والرخصة عنه صلى الله عليه وسلم ولا يستمرون عليه بدون اطلاعه وتقريره صلى الله عليه وسلم وتقريره كقوله وفعله فانه صلى الله عليه وسلم لا يسكت على منكر يطلع عليه ولان ذلك الزمان زمان تواتر اى تتابع وحي فلا يقع من الصحابة فعل شئى ويؤخرون عليه الا وهو اى ذلك الشئى غير ممنوع الفعل۔ وقد استدل جابرؓ وابو سعيد على جواز العزل بانهم

"حدیث در حکم مرفوع (جو آنحضرت صلعم کی تقریر (ایک بات کو قائم و مقرر رکھنے اور اس پر انکار نہ کرنے) سے ثابت ہے) کی مثال یہ ہے کہ صحابہ یوں کہیں کہ ہم لوگ آنحضرت کے زمانہ میں ایسا کیا کرتے تھے جیسے ان کا یہ کہنا کہ ہم آنحضرت کے زمانہ میں قربانی کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ یہ اس لئے در حکم مرفوع ہے کہ ایسے فعل کا ظاہر حال یہ ہے کہ آنحضرت کو اس پر اطلاع ہو کیونکہ (اولاً تو) ان کو دینی امور کے متعلق آنحضرت سے سوال کرنے پر بہت باعث تھے۔ وہ بدوں استفسار و اجازت نبوی کوئی کام نہ کرتے تھے۔ اور نہ بدوں اطلاع نبوی وہ کسی کام پر استمرار و دوام کرتے۔ اور آنحضرت کا ایک بات کو اطلاع پاکر مقرر کر رکھنا ایسا ہے جیسے اس بات کو زبان سے فرمانا یا خود کرنا۔ کیونکہ آنحضرت نے ناجائز امر پر مطلع ہو کر سکوت نہ فرمایا (ثانیاً) اس لئے کہ وہ زمانہ وحی کے لگاتار آنے کا زمانہ تھا۔ لہٰذا اس میں صحابہ سے جو فعل سرزد ہوتا پھر وہ ڈھیل دیئے جاتے اور قائم رہتے وہ جائز ہی ہو جاتا۔ (اسی بنا پر) جابر و ابوسعید (صحابہؓ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كانوا نعزل والقرآن ينزل ولو كان شيئا ينهى لنهى عنه القرآن (شرح نخبة مع شرح الشرح)

عزل (مجامعت کے وقت انزال باہر کرنا) کے جواز پر اس دلیل سے تمسک کیا ہے کہ ہم یہ فعل اس وقت کیا کرتے تھے جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا۔ سو اگر یہ فعل منع ہوتا تو قرآن (جس کا رسوم فساد کو مٹانا اور عام غلطیوں اور جہالتوں پر لوگوں کو مطلع کرنا فرض تھا) ضرور اس فعل سے منع کرتا۔

ایسا ہی صحابہ کا یہ قول کہ فلاں امر سنت ہے۔ بشہادت ان کی عادت کے بجز اس کے اور کچھ معنی نہیں رکھتا کہ وہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اگرچہ لفظ سنت خلفائے راشدین بلکہ اور اشخاص کے نیک[1] یا بد سنت یعنی طریق پر بھی بولا جاتا ہے جس سے بعض علماء نے یہ سمجھ لیا ہے کہ لفظ سنت در حکم مرفوع نہیں ہے۔ مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ لفظ سنت غیر سنت نبوی پر اسی حالت اور اسی شرط سے بولا جاتا ہے۔ کہ اس کے ساتھ اس شخص کو بھی ذکر کریں جس کی سنت مراد ہو۔ بلا ذکر نام یا قید کے مطلق سنت کا اطلاق سوائے سنت نبوی کے کسی سنت پر صحابہ میں ہرگز نہ ہوتا تھا۔ ان کی یہ عادت شرط اس بات پر دلیل ہے کہ جہاں وہ لفظ سنت بلا قید بولتے تھے وہاں ان کی مراد سنت سے سنت نبوی ہوتی تھی۔ شرح نخبہ اور اس کی شرح میں ہے کہ:

ومن الصيغ للرفع قول الصحابي من السنة كذا فالاكثر اى الجمهور من المحدثين والعلماء على ان ذلك مرفوع ونقل ابن عبد البر الاتفاق واطلق الحاكم ثم البيهقي اتفاق اهل النقل على الرفع وقال في مسئلة التابعي واذا قالها اى من السنة كذا غير الصحابي اى التابعي فكذلك مالم يضفها الى صاحبها كسنة العمرين اى ابي بكر وعمر على التغليب

در حکم مرفوع کے الفاظ سے صحابی کا یہ لفظ بھی ہے کہ فلاں امر سنت ہے۔ جمہور محدثین وغیرہ علماء اس پر ہیں کہ یہ مرفوع ہے۔ ابن عبد البر نے اس میں اتفاق نقل کیا ہے۔ حاکم نے اور اس کے بعد بیہقی نے بھی اہل نقل کے اتفاق کا لفظ بولا ہے۔ اور تابعی کی نسبت کہا ہے کہ جب لفظ (سنت) غیر صحابی بولے تو بھی یہی حکم ہے۔ جب تک کہ اس کو بجز آنحضرت صلعم اور کی طرف منسوب نہ کرے۔ جیسے کہا کرتے ہیں کہ فلاں امر سنت عمرین یعنی ابوبکر و عمر کی یہ سنت ہے

[1] جیسا کہ حدیث من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ او سیئۃ میں ہر طریق نیک و بد پر سنت کا لفظ بولا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وفی نقل الاتفاق نظر فان الخلاف موجود
فعن الشافعی فی اصل المسئلة قولان و
ذهب الی انه غیر مرفوع ابوبکر الصیرفی
من الشافعیة فی الدلائل وابوبکر الرازی
من الحنفیة وابن حزم من اهل الظاهر
واحتجوا بان السنة تتردد بین النبی
صلی الله علیه وسلم وغیره وکثیرا ما
یعبرون به عن سنة الخلفاء الراشدین
وقد یطلقونه ویریدون به سنة
البلد واجیبوا بان ارادة غیر النبی
صلی الله علیه وسلم بعید لان الظاهر
من احوال الصحابة انهم لا یریدون
الا سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم
لان مقصودهم بیان الشرع ولان السنة
لا تنصرف بظاهرها حقیقة الا الی الشارع
صلی الله علیه وسلم وهو اصل و
سنة غیره تبع فی کلامهم فحمل
کلامهم علی الاصل اولی - وایضا قد
ورد ما یشهد له وهو قوله وقد
روی البخاری فی صحیحه فی حدیث
ابن شهاب عن سالم بن عبد الله بن
عمر عن ابیه فی قصته مع الحجاج حیث
قال له ان کنت ترید السنة فهجر بالصلوة

اس دعوٰے اتفاق میں کلام ہے امام شافعی کے اس مسئلہ میں دو
قول ہیں اور ابو بکر صیرفی شافعیوں میں سے اور ابو بکر رازی
حنفیہ میں سے اور ابن حزم اہل ظاہر سے کہتے ہیں کہ وہ
لفظ (سنت) در حکم مرفوع نہیں ہے۔ ان کی دلیل (سند)
یہ ہے کہ یہ لفظ (سنت) غیر نبی کی سنت پر بھی بولا جاتا ہے
بہت دفعہ اس لفظ سے سنت خلفائے راشدین کو بھی
تعبیر کرتے ہیں۔ کبھی کسی شہر کی سنت (یعنی طریق) پر بھی
یہ لفظ بول دیتے ہیں۔ جمہور علماء نے اس کا یہ جواب دیا
ہے کہ مطلق لفظ سنت سے غیر نبی کی سنت مراد لینا بعید
ہے۔ صحابہ کا ظاہر حال (وعادت) یہی تھی کہ وہ (مطلق) سنت
سے بجز سنت نبوی مراد نہ رکھتے تھے کیونکہ ان کا مقصود
اس لفظ کے اطلاق سے شرع کا بیان تھا۔ (اور شارع
بجز آنحضرت اور کوئی نہیں) و نیز ظاہر لفظ سنت حقیقت میں
شارع (نبی) کی طرف راجع ہوتا ہے۔ اور یہی اس کے
اصل معنی ہیں۔ اوروں کی سنت تو ان کے محاورہ میں
اس سنت نبوی کے تابع ہوتی۔ لہذا ان کے کلام کو
اصل معنی پر حمل کرنا بہتر ہے۔ اس تخصیص پر عبداللہ بن عمر
صحابی کا قول اور (ان کے بیٹے) سالم بن عبداللہ تابعی کی
تفسیر شاہد ہے چنانچہ امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح میں زہری
سے انہوں نے سالم بن عبداللہ سے انہوں نے عبداللہ
بن عمر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حجاج بن یوسف کو
حج میں کہا کہ اگر تو سنت چاہتا ہے تو نماز ظہر کے لیے جلدی
کر زہری (راوی حدیث) نے اپنے استاذ سالم بن عبداللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قال ابن شهاب فقلت لسالم افعله رسول
الله صلى الله عليه وسلم قال وهل يعنون
بذلك الا سنته فنقل سالم وهو احد
الفقهاء السبعة من اهل المدينة واحد الحفاظ
من التابعين عن الصحابة انهم اذا اطلقوا
السنة لا يريدون بذلك الا سنة النبي صلى الله
عليه وسلم اما قول بعضهم ان كان مرفوعا فلم لا
يقولون فيه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
فجوابه انهم تركوا الجزم بذلك تورعا واحتياطا
بالاتيان بالصفة التي ذكرها الصحابي ومن هذا
قول ابي قلابة عن انس من السنة اذا تزوج
البكر على الثيب اقام عندها سبعا اخرجاه في
الصحيحين قال ابو قلابة لو شئت لقلت ان
انسا رفعه الى النبي صلى الله عليه وسلم اي
لو قلت لم اكذب لان قوله من السنة هذا
معناه الرفع لكن ايراده بالصيغة التي ذكرها
الصحابي اولى (شرح نخبه مع شرح الشرح)

سے پوچھا کہ کیا یہ فعل آنحضرت نے کیا ہے سالم نے جواب دیا کہ صحابہ لفظ سنت سے بجز سنت نبوی اور کوئی معنی مراد نہ رکھتے تھے تو دیکھو سالم بن عبداللہ نے جو فقہائے سبعہ اہل مدینہ اور تابعین حفاظ حدیث میں سے ہیں صحابہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب وہ مطلق سنت (بلا قید اور نام کسی کے) بولتے ہیں تو بجز سنت نبوی اور کچھ مراد نہ رکھتے تھے اس پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر اس لفظ سے سنت نبوی مراد ہے تو وہ لوگ بجائے اسکے قال رسول اللہ (یعنی آنحضرت نے یوں فرمایا ہے) کیوں نہیں کہہ دیتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس میں احتیاط کرتے ہیں جو لفظ انہوں نے استاذ سے سنا ہوتا ہے اسی کو نقل کرنا پسند کرتے ہیں چنانچہ ابو قلابہ تابعی سے مروی ہے کہ انہوں نے انسؓ صحابی سے یہ حدیث نقل کی کہ رانڈ عورت کے نکاح پر کنواری عورت سے نکاح کرے تو سنت ہے کہ پہلے اس کے پاس سات شب متواتر رہے۔ پھر راتوں کی تقسیم شروع کرے یہ حدیث صحیحین میں مروی ہے ابو قلابہ نے اس میں کہا ہے کہ اگر میں چاہوں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ انسؓ نے اس حدیث کو مرفوع کہا ہے یعنی اگر میں یہ لفظ کہوں تو بھی جھوٹ نہ ہوگا کیونکہ سنت کہنا در حکم مرفوع ہے ولیکن اس لفظ کا اس صیغہ سے جس سے صحابی نے نقل کیا ہے بیان کرنا اولیٰ ہے۔

ان جوابات اور دلائل پر بھی شاید معترض یہ اعتراض کرے کہ انکی بنا حسن ظن پر ہے اس کا جواب بھی وہی ہے جو پہلے کہا گیا ہے کہ یہ حسن ظن محض خیالی نہیں ہے بلکہ ظاہر حال رواۃ اس حسن ظن کی اصل و مستند ہے اور یہی حسن ظن ان حدیث کے ماننے اور قبول کرنے کا مدار ہے جو صراحۃً مرفوع ہیں جن میں راوی صاف طور پر قال رسول اللہ کہتا ہے یہ حسن ظنی نہ ہو تو ان احادیث میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ راوی اس رفع صریح اور قال رسول اللہ کہنے میں خلاف گوئی یا غلطی کرتا ہے جس کا تجویز کرنا ثقہ راویوں میں کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ (باقی)

© rasailojaraid.com